اسلامی تہذیب

ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب ایم اے، پی ایچ ڈی، پروفیسر فلسفہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد (دکن)

نوٹ یہ وہ مقالہ ہے، جو ڈاکٹر صاحب نے مجلس مذاکرات اسلامیہ لاہور منعقدہ ماہ جنوری ۱۹۵۸ء میں پڑھا تھا۔ اس کی افادیت اور قیمت کے پیش نظر اسے "ندائے حق" میں شایع کیا جا رہا ہے۔ (مدیر)

اسلامی تہذیب (کلچر) کے معنوں یا مفہوم کی وضاحت سے قبل میں یہ ضروری سمجھتا ہوں کہ "کلچر" کے لفظی معنوں پر آپ کی توجہ مرکوز کروں، اور اس ضمن میں اسلامی تہذیب کے تضمنات پر روشنی ڈالوں، ہم سب جانتے ہیں کہ "کلچر" کا لفظ کاشتکاری (ایگریکلچر) کی قدیم ترین صنعت سے ماخوذ ہے، اور "کلچر" کا جو مجازی مفہوم ہے وہی "اگریکلچر" کا لغوی مفہوم ہے۔ یعنی زمین، تخم ریزی، آبیاری، یا تخم کی زیر زمین حفاظت "تاکہ شدت تمازت انہیں جلا نہ ڈالے"، ان کے نشو نما کے لئے کافی وقت انتظار پھر پودوں کے اُگنے کے بعد آفات ارضی و سماوی سے اُن کا تحفظ، پانی دے کر اُن کے اطراف باڑھ لگانا۔ تاکہ جانور اُنہیں روند نہ ڈالیں کھا نہ جائیں وعلیٰ ہذا۔

پھولوں کی کاشت ہو یا ترکاریوں کی یا کسی اور چیز کی۔ اس کے لیے ضروری اجزاء یہی تو ہیں، صالح زمین، عمدہ تخم، پرورش تخم کے خاص طریقے، اس زندگی کا جو ننھے ننھے بیجوں میں مستور ہے پودوں کی شکل میں رونما ہونا۔ پھر انہی نازک پودوں کا بالفاظ قرآن "فاستغلظ فاستوی علی سوقہ یعجب الزراع" (۴۸: ۲۹) مضبوط ہونا۔ پھر اپنی نال پہ سیدھا کھڑا ہو جانا۔ اور کھیتی والوں کو خوش کرنا۔"

اسلامی کلچر کا مفہوم انہیں اجزاء پر غور کرنے سے مجھے اُمید ہے کہ واضح ہو جائے گا۔ باغ جو مٹی سے اُگتا ہے وہ آخر میں تباہ بھی ہو جاتا ہے، لیکن جو باغ دل کی زمین سے اُگتا ہے، وہ لازوال ہوتا ہے یہی فرق مجاز و حقیقت میں ہے، کلچر میں اور اسلامی کلچر میں ہے،

گلشنے کز گل دمد گردد تباہ
گلشنے کز دل دمد وا فرحتاہ! (رومی)

اسلامی تہذیب [illegible] زندگی [illegible] ہے قرآن کی زبان میں اس کو "قلب" سے تعبیر کیا گیا ہے،

اس لفظ کے دو معنی [illegible]

© rasailojaraid.com

ایک تو گوشت کا لوتھڑا جو صنوبری شکل کا ہوتا ہے۔ اور سینے کے بائیں طرف رکھا گیا ہے۔ اس کے اندر تجویف ہے، اس تجویف میں خون ہے۔ اور یہی روح کا منبع سمجھا جاتا ہے۔ اس دل سے ہمیں کچھ غرض نہیں، اطباء کے لئے یہ ضروری ہے، یہ دل بہائم میں بھی موجود ہے۔ بلکہ مردے کے جسم میں بھی ہوتا ہے۔

قلب کے دوسرے معنی بھی ہیں، ان معنوں میں وہ ایک لطیفۂ ربانی و روحانی ہے۔ اس لطیفے (قلب) کو قلب جسمانی سے تعلق بالکل ہوتا ہے، یہی لطیفہ ربانی حقیقت انسان ہے۔ اس کو ادراک علم و عرفان ہوتا ہے۔ یہی ہر خطاب کا مخاطب، عتاب کا معاتب، عقاب کا معاقب ہوتا ہے۔ اور اس کا تعلق لحم صنوبری سے ویسا ہی ہے جیسا کہ عرض کا جسم سے، وصف کا موصوف سے، متمکن کا مکان سے، مستعمل کا آلے سے۔ اس قلب کے متعلق کہا گیا ہے،

ماہیت دو عالم کھاتی پھرے ہے غوطے
یک قطرہ خوں یہ دل بھی طوفان ہے ہمارا

اس لطیفۂ مدرکہ کو بعض دفعہ "نفس"، "روح"، "عقل" کے الفاظ سے تعبیر کیا جاتا ہے مفہوم وہی ایک ہے تعبیرات مختلف۔ یہی قلب وہ زمین ہے۔ جس میں تہذیب اسلامی کی تخم ریزی ہوتی ہے اس کو خس و خاشاک سے پاک کیا جاتا ہے۔ یہی وہ چیز ہے جس کی اصلاح یا درستی سے سارا جسم درست ہو جاتا ہے یعنی سارے اعمال درست ہو جاتے ہیں، اور اس کے بگڑنے سے سارا جسم بگڑ جاتا ہے۔ اس مفہوم کو ترجمان حقیقت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔

ان فی الجسد لمضغۃ، اذا صلحت صلح الجسد کلہ و اذا فسدت فسد الجسد کلہ۔ الا و ھی القلب (رواہ البخاری)

انسان کے جسم میں ایک لوتھڑا ہے اگر وہ درست ہو جائے، تو سارا جسم درست ہو جاتا ہے، اور اگر وہ بگڑ جائے، تو سارا جسم بگڑ جاتا ہے۔ جان لو کہ وہ قلب ہے۔

اس نکتے کو زیادہ واضح کرتے ہوئے کعب احبار رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا۔

الانسان عیناہ ھاد و اذناہ قمع ولسانہ ترجمان و یداہ جناحان و رجلاہ بریدٌ والقلب منہ ملک۔ فاذا طاب الملک، طابت جنودہ:

انسان کی دو آنکھیں اس کی رہنما ہیں، اس کے دو کان (گویا) قیف ہیں اور اس کے دو ہاتھ دو پر اور اس کے دو پیر قاصد اور اس کا دل بادشاہ ہے۔ جب بادشاہ اچھا ہو تو اس کا لشکر بھی اچھا ہوتا ہے۔

عائشہ صدیقہؓ نے یہ سن کر کہا تھا: "ھکذا سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔"

قلب کی زمین پر یقین کی کھاد تمام خس و خاشاک سے اس کو پاک و صاف کر دیتی ہے۔ اس کو صالح یا طیب بنا دیتی ہے۔ یہ یقین حق تعالیٰ کے وجود کا یقین ہے۔ اس کے حضور و شہود کا یقین ہے۔ اس کے قرب و معیت و احاطت کا یقین ہے۔ اس کے خالق و رب ہونے کا یقین ہے۔ اس کے مالک و رب ہونے کا یقین ہے۔ اس کے مولا و حاکم ہونے کا یقین ہے۔ اس کے اللہ ہونے کا یقین ہے۔ اور اس کے بالعکس اپنے مخلوق و مربوب و مملوک و محکوم و

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مالوہ وعید ہونے کا یقین ہے۔ اسی یقین کا کامل اظہار مسلم ایک کلمے کے ذریعے کرتا ہے۔ جو لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے۔ یہی کلمہ طیبہ ہے۔ جس کی مثال قرآن کریم میں ایک پاک درخت سے دی گئی ہے، جس کی جڑ مضبوط ہے۔ جس کی شاخیں آسمان تک گئی ہیں اور حکم ایزدی سے جو ہر وقت، پھل لاتا ہے اور میوہ دیتا ہے،

الم تر کیف ضرب اللہ مثلاً کلمۃً طیبۃً کشجرۃٍ طیبۃٍ اصلہا ثابت وفرعہا فی السماء ○ تؤتی اکلہا کل حین باذن ربہا ویضرب اللہ الامثال للناس لعلہم یتذکرون ○ (۱۴: ۲۴، ۲۵)

یہی کلمہ توحید ہے۔ جس کی جڑ دل میں قائم اور مستحکم ہوتی ہے۔ اور اس کی شاخیں، یعنی عمل آسمان پر چڑھتے رہتے ہیں اور ان کے پھل یعنی برکت ہر وقت حاصل ہوتی رہتی ہے۔ اس کلمے کی ضد کلمۂ کفر ہے۔ جس کی مثال قرآن حکیم میں اس درخت خبیث سے دی گئی ہے۔ جس کی نہ جڑ مستحکم، نہ شاخیں بلند، زمین کے اوپر ہی سے اکھیڑ کر پھینک دیا جائے اس کو ذرا بھی قرار و ثبات نہیں،

ومثل کلمۃٍ خبیثۃٍ کشجرۃٍ خبیثۃٍ اجتثت من فوق الارض ما لہا من قرار ○ (۱۴: ۲۶)

کلمۂ طیبہ اسلام کا دعوتی کلمہ ہے۔ جس میں توحید الوہیت اور رسالت محمدی کو پیش کیا جا رہا ہے۔ جن کا جاننا اقرار کرنا ایمان کے لئے، قلب کے تزکیہ و تطہیر کے لئے ضروری ہے، فرض اول ہے۔ تمام انبیاء نے اس توحید الوہیت کو پیش کیا ہے۔ یہی ان کی بعثت و دعوت کا اصل مقصود تھا۔ تمام پیغمبروں کے پیغام کا یہی نچوڑ تھا

یٰقوم اعبدوا اللہ ما لکم من الٰہٍ غیرہ (۱۱: ۵۰)

"اے قوم" تم اللہ ہی کی عبادت کرو، کہ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود یا رب نہیں۔ یا الا تعبدوا الا ایاہ (۱۲: ۴۰) یعنی اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، غرض توحید الوہیت پر سارے انبیاء اولین و آخرین کا اجتماع ہے۔ جو بھی رسول آیا۔ وہ توحید ہی کی دعوت لے کر آیا۔ جیسا کہ قرآن ناطق ہے،

وما ارسلنا من قبلک من رسولٍ الا نوحی الیہ انہ لا الٰہ الا انا فاعبدون (۲۱: ۲۵)

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہی مستحق عبادت ہے۔ اسی کی عبادت کی جانی چاہئے۔ اسی سے فقر و ذلت کی نسبت جوڑنی چاہیئے، افراد عبادت اللہ ہی تمام پیغمبروں کے پیام کا حاصل ہے۔ یعنی صرف اللہ ہی اللہ رہے، غیر اللہ بحیثیت الٰہ تمام سے نفی کی جائے

دل عاشق روے تست با عہد درست
جاں طالب وصل تست از روز نخست
آں کس کہ نہ جست وصل تو ہیچ نیافت
وآں کس کہ ترا یافت دگر ہیچ نہ جست

(عطار)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قلب کی زمین میں وجود باری تعالیٰ کے یقین کی کھاد دے کر توحید الوہیت کا تخم لگایا جاتا ہے اس تخم کی آبیاری ان اقوال و افعال سے لی جاتی ہے جن کو شرع کی زبان میں عبادت سے تعبیر کیا جاتا ہے عبادت لغت میں عبارت ہے "غایت تذلل" سے، یعنی حد درجے کی نیازمندی و خاکساری سے اور شرع میں مراد ہے ان اقوال و اعمال و احوال سے جن کا تعلق خاص طور پر حق تعالیٰ کی عظمت و جلالت سے ہوتا ہے۔ عبادت اسم جنس ہے، اس کی انواع بہت سی ہیں،

۱۔ عبادت اعتقادی: یہ اصل ہے سب انواع کی۔ اس کا دوسرا نام توحید الوہیت ہے محاورۂ قرآن میں عبادت کے معنی اس توحید کے ہیں، یہ اس امر کا اعتقاد ہے کہ اللہ الذی الہ ہے، یعنی معبود ہے، واحد و احد ہے وہی خالق ہے وہی آمر، وہی مالک ہے وہی حاکم۔ اسی کے ہاتھ میں نفع و ضرر ہے وہی مولا ہے اسی طرح الوہیت کے دوسرے لوازم کا اعتقاد، لہذا دعا، ندا، استغاثہ، التجاء، رجا و خوف سب اللہ ہی سے ہوں غیر اللہ سے ہرگز نہ ہوں

۲۔ عبادت لفظی، کلمۂ توحید کا زبان سے اقرار

۳۔ عبادت بدنی، جیسے قیام و رکوع و سجود نماز میں،

۴۔ عبادت صوم و افعال حج، جیسے طواف، ذبح، نحر، حلق

۵۔ عبادت مالی، حق تعالیٰ کے امتثال امر میں اسی کی رضا کے حصول کے لئے انفاق، مثلاً زکوٰۃ، صدقہ وغیرہ

۶۔ ذکر الٰہی،

۷۔ فکر و مراقبہ۔

اسی طرح اقوال و اعمال، اموال و ابدان میں واجبات و مندوبات کی اور انواع ہیں جو تمام کی تمام عبادت میں داخل ہیں۔ ان کا حصر یہاں ضروری نہیں، صرف امہات عبادت کی یہاں تصریح کی گئی، کلی طور پر یوں سمجھنا چاہیے کہ جتنی نفع کے لئے مخلوق جو کام کرتی ہے وہ عبادت ہے۔ اگر اس کی اجازت اللہ نے دی ہے (باذن بہ اللہ) تو وہ اللہ کی عبادت ہے، اگر اس کی اجازت اللہ نے نہیں دی (ما لم یاذن بہ اللہ) تو وہ غیر اللہ کی عبادت ہے، شرک ہے ظلم عظیم ہے اسی لئے تو کہا گیا ہے کہ معرفت اللہ اصل عظیم ہے سارے علم کی تفصیلات کو چھوڑ کر پہلے اس معرفت کا حاصل کرنا ضروری ہے؟

جز معرفت الٰہ ہیچ است ہمہ
بگذر ز ہمہ، معرفتے حاصل کن

یہ علم مشکوٰۃ نبی سے ہی اخذ کیا جا سکتا ہے۔ اس کو چھوڑ کر علم خود کا تابع ہونا یا الہی ہے، تشنہ لبی ہے قلب کی زمین میں شجر خبیثہ کا بیج بونا ہے، جس کا نہ جڑ مستحکم ہے نہ شاخیں بلند ہو سکتی ہیں، جو زمین کے اوپر ہی سے اکھیڑ کر پھینک دیا جاتا ہے "ما لہا من قرار" (۱۴ : ۲۶)

قلب کی زمین میں "توحید الوہیت" کا تخم لگا کر "عبادت" کے ذریعے اس کی آبیاری کی جاتی ہے شرک و نفاق کے خس و خاشاک کو کلمے کے "لائے نفی" سے کھود کر پھینک دیا جاتا ہے۔ حق تعالیٰ کی ہر آن یاد (ذکر) سے اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے خیال یا "فکر" سے دوسرے الفاظ میں عبادت و معرفت سے اس "شجر طیب" کی جڑیں مضبوط ہوتی جاتی ہیں اس کی شاخیں آسمان تک پہنچ جاتی ہیں اور ہر آن حکم ایزدی سے اس کے پھل حاصل ہوتے جاتے ہیں، اس لئے قرآن کریم میں ذکر کثیر کا حکم دیا گیا ہے اذکروا اللہ ذکراً کثیراً (۳۳: ۴۱) نیز فاذکروا اللہ قیاماً و قعوداً و علیٰ جنوبکم (۴: ۱۰۳) نیز فاذکروا اللہ کذکرکم آباءکم او اشد ذکراً (۲: ۲۰۰) یعنی "خدا کو اس طرح یاد کرو، جس طرح اپنے آباؤ اجداد کو یاد کرتے ہو، خدا کی یاد تو اس سے شدید تر ہونی چاہیے" سورہ مزمل (رکوع اول) میں فرمایا "واذکر اسم ربک وتبتل الیہ تبتیلا (۷۳: ۸)" اپنے رب کے نام کا ذکر کرو اور اس کے ساتھ جڑ جاؤ جو جڑنے کا حق ہے۔ تبتل ہی حقیقت ذکر قرار دی گئی ہے۔ جو (صوفیہ کرام کی اصطلاح میں) مذکور میں فنا ہو جانا ہے۔ اب "ذکر کثیر" وہ ذکر ہے، جو کسی حال میں فراموش نہ ہو، (مجاہد) صوفیہ کی اصطلاح میں یہ "ذکر دوام" ہے۔ "یادداشت" ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے الفاظ ہیں "اللہ نے اپنے بندوں پر کوئی عبادت ایسی فرض نہیں کی جس کی ایک حد معلوم و مقرر نہ کر دی ہو، پھر اہل عذر کو حالت عذر میں اس کو معاف نہ کر دیا ہو لیکن ذکر ہی ایک ایسی عبادت ہے۔ کہ اللہ نے اس کی کوئی حد مقرر نہیں کی۔ اور کسی کو اس سے معاف نہ فرمایا الا مسلوب العقل کو، اور ہر حال میں اپنے ذکر کا حکم دیا۔ قیاماً و قعوداً و علیٰ جنوبکم، یعنی کھڑے، بیٹھے، لیٹے، یعنی شب و روز، خشکی و تری میں سفر و حضر میں، غنا و فکر میں، بیماری و صحت میں، ظاہر و پوشیدہ، ہر حال میں خدا کی یاد یا اس کا ذکر ضروری قرار دیا گیا ہے (ابن عباس رضی اللہ عنہ)

قرآن کریم میں ذکر کے متعلق مختلف مقامات پہ جو ہدایتیں کی گئی ہیں اُن کا خلاصہ یوں پیش کیا جا سکتا ہے۔ کہ یہ ذکر محبت کے ساتھ ہو، اس کی عظمت و جلالت کے ساتھ ہو۔ اس کی تنزیہ و تقدیس کے دھیان کے ساتھ ہو، ادب ظاہری و باطنی کے ساتھ ہو، خشوع و خضوع کے ساتھ ہو، تبتل کے ساتھ ہو یعنی مذکور میں فنا ہو کر ہو، کثرت یا دوام کے ساتھ ہو، تضرع و تنہا ہو، غفلت کے ساتھ نہ ہو، ذکر میں کوئی وسوسہ یا خیال نہ آئے کہ موجب ہلاکت ہو،

تبارک اسم ربک ذی الجلال والاکرام (۵۵: ۷۸)

اسی طرح قرآن حکیم میں فکر فی الآفاق و فکر فی الانفس کا حکم دیا گیا ہے تاکہ شجر توحید مستحکم ہو، اس بارے میں مشہور و معروف آیت سورہ حٰم السجدہ رکوع ۶ میں آتی ہے،

سنریھم ایٰتنا فی الآفاق و فی انفسھم حتیٰ یتبین لھم انہ الحق ط اولم
یکف بربک انہ علیٰ کل شیٔ شھید ٥ الا انھم فی مریۃ من لقاء ربھم
الا انہ بکل شیٔ محیط" (۴۱: ۵۳، ۵۴)

عنقریب ہم تمہیں اپنی نشانیاں آفاق میں اور ان کے انفس میں دکھائیں گے، یہاں تک کہ ان کو منکشف ہو جائے کہ خدا ہی حق ہے۔ کیا تمہاری تسلی کو کافی نہیں کہ تمہارا خدا ہر چیز کا شاہد حال ہے؟ سن رکھو! یہ لوگ تو لقائے رب ہی سے شک میں ہیں، سن رکھو کہ وہ ہر چیز پر احاطہ کئے ہوئے ہے"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خدا کی نشانیاں آفاق میں بھی ہیں، اور خود انسان کے نفس میں بھی۔ انہیں نشانیوں پر غور کرنے سے آدمی خدا کو پالے گا اور اس پر کھل جائے گا کہ خدا ہی حق ہے، اور اس انکشاف کے باعث اس کو لقائے رب کی طرف سے کوئی شک نہ رہے گا۔ اور اس پر منکشف ہو جائے گا کہ وہ تعالیٰ ہر چیز پر محیط ہے۔

فکر فی الآفاق کو اصطلاحاً ذکر کہتے ہیں، اور فکر فی النفس کو مراقبہ، اس فکر و مراقبہ سے توحید حاصل ہوتی ہے۔ اور یہ ایمان کامل حاصل ہوتا ہے کہ خدا ہی حق ہے۔ اور لاریب حق ہی ہر شے پر محیط ہے۔ اس ایمان کامل پر استقامت سے دوام حضور حاصل ہو جاتا ہے۔ اور دوام حضور کی استقامت سے دوام شہود۔ اس لئے کہا گیا ہے کہ افضل الطاعات مراقبة الحق علی دوام الاوقات، یعنی بہترین طاعت یا عبادت، مراقبہ حق ہے، دائماً (ابن عطا سکندری)

اسلامی تہذیب کی زمین قلب انسانی ہے شک و انکار کفر و شرک و نفاق کے خس و خاشاک سے اس کو یقین کی کھاد دے کر پاک و صاف کیا جاتا ہے، اور شجرِ طیب، توحید الوہیت کا تخم اس میں لگایا جاتا ہے۔ اور عبادت ذکر و فکر سے اس کی آبیاری کی جاتی ہے جب اس طریقے سے اس تخم کی پرورش کی جاتی ہے۔ تو یہ پاک درخت اپنی جڑیں مضبوط کرتا ہے اور اس کی شاخیں آسمان تک پہنچتی ہیں اور ہر وقت اس میں پھل آنے لگتے ہیں۔ اب ہم ان پھلوں میں سے بعض کا بیان کریں گے۔

(۱) حریت، فقر و احتیاج انسان کی فطرت میں داخل ہے۔ انہیں کو رفع کرنے کے لئے وہ ہر نفع و ضرر پہنچانے والی چیز کو "الٰہ" قرار دیتا ہے۔ رفع احتیاج کے لئے ان سے اعانت طلب کرتا رہا ہے۔ اپنے جہل و نادانی کی وجہ سے ان کو مستقل طور پر نافع و ضار خیال کرتا رہا ہے۔ اور یہی وہم اس کو اپنے سے کمتر مخلوق کے آگے سجدہ ریزی کرنے پر مجبور کرتا رہا ہے۔

جب توحید الوہیت کے شجرِ طیب نے زمین قلب میں اپنی شاخیں بلند کیں، تو پہلا ثمرہ یہ حاصل ہوتا ہے کہ انسان کی گردن صرف ایک ہمہ خیر، ہمہ دان و ہمہ توان ہستی کے آگے جھکنے لگتی ہے، جس کے دست قدرت میں ساری کائنات کی باگ ہے۔ یہی ہستی ہمارا "اللہ" ہے۔ ہمارا خالق ہے۔ مالک ہے۔ ہمارا رب ہے۔ مولیٰ ہے۔ حاکم ہے۔ اسی کے ہم مخلوق ہیں، مربوب ہیں، مملوک ہیں، محکوم ہیں۔ عبد ہیں۔ اسی کی ہم عبادت کرتے ہیں، اسی سے ہم محبت کرتے ہیں اور اسی سے ہم تمام حاجات و مرادات میں بھیک مانگتے ہیں، یہی ذات غنی ہے اور ہم سب اسی کے فقیر ہیں، اسی کے فقیر ہو کر ہم سارے عالم سے غنی ہیں۔

کہ بستگان کمند تو رستگاران اند!

اب عبداللہ خلق کی غلامی سے کامل طور پر آزاد ہو جاتا ہے، "رق اغیار" سے رہا ہو جاتا ہے۔ موجودات عالم میں سے وہ کسی چیز سے نہیں ڈرتا۔ فلا تخافوهم وخافون ان كنتم مؤمنين (۳: ۱۷۵) پر اس کا عمل ہو جاتا ہے وہ نہ کسی سے امید و رجا رکھتا ہے۔ نہ کسی سے بیم و خوف۔ الیس اللہ بکاف عبدہٗ (۳۹: ۳۶) اس کو ساری کائنات سے غنی کر دیتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی نافع ہے نہ ضار،

از خدا خواہم و از غیر نخواہم بخدا — کہ نہ بندہ دیگر، نہ خدائے دگر است

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۲۔ سکینت یا جمعیتِ قلب: حریت کا لازمی نتیجہ سکینت یا جمعیتِ دل ہے، جو عبارت ہے فارغ البالی سے، اس کی ضد پریشانی اور تشتتِ قلب ہے۔ جمعیت ظاہرہ شاہد اعمال کو شریعت حقہ کے مطابق آراستہ و پیراستہ کرنے کا نام ہے، یا تہذیب اخلاق ہے، جمعیت "جمع اسباب" کا نام نہیں، اور نہ پریشانی عدم اسباب کا۔ جیسا جہلا کا خیال ہے ان ہی جہلاء کے حال کی خبر حق تعالےٰ نے دی ہے تحسبهم جميعًا وقلوبهم شتّٰى (۵۹:۱۴) تم شاید خیال کرتے ہو کہ یہ اکٹھے (اور یک دل) ہیں، مگر ان کے دل پھٹے ہوئے ہیں۔ سکینت و جمعیت قلب ثمرہ ہے توحید کا۔ یہ اس وقت حاصل ہوتی ہے۔ جب قلب کا "قبلۂ توجہ" حق کے سوا کچھ نہیں رہتا: اس سے غنا پیدا ہوتی ہے، جو حق سے نیاز کامل حاصل ہو جانے کی وجہ سے خلق سے بے نیازی کا نتیجہ ہے۔ ایسی حالت میں انسان بقول بوعلی سینا "ھش ولبش و بسام" یعنی شاداں و فرحاں و متبسم رہتا ہے (اشارات: خاتمہ) وہ فرحان بالحق ہوتا ہے یعنی اس کی فرحت و خوشی کا مبدا حق تعالےٰ ہوتے ہیں۔ اس کا دل دُنیا و آخرت کی تمام نعمتوں سے رہا ہوکر تمام احوال و مشاھدات سے یکسو بے نیاز ہوکر کشش و قلق ذاتی کے لحاظ سے احدیت کی طرف مائل ہو جاتا ہے، اور "تبتل الیہ تبتیلا" (۷۳:۸) کا مصداق۔

۳۔ جذبۂ عمل: غیر اللہ کی عبادت و عبودیت کا جُوا جب گردن سے نکل گیا۔ حریت یا آزادی اور سکینت و طمانیۃ القلب، مع اللہ کا جذبہ جب قلب میں پیدا ہوگیا۔ خوف غیر اللہ کا بھاری پتھر جب اس کے سینے سے اُٹھ گیا۔ اور انسان اپنے حقیقی مولیٰ کے آگے جھک گیا اور اس سے مانوس ہوگیا۔ تو وہ اپنے مولیٰ کو رحیم و حکیم اور ودود و کریم پاتا ہے۔ اس کو اپنے ہر امر میں متصرف سمجھنے لگتا ہے۔ اس کے ہر فعل کو سراسر حکمت سے مملو دیکھتا ہے اور اسی کے حکم کے مطابق اس کو اپنے کاموں میں وکیل بناتا فاتخذه وكيلا (۷۳:۹) اس کا فرمان ہے "كفى بالله وكيلا" (۴:۸۱) کہ وہ آزادی و اطمینان کے ساتھ مصروف عمل ہو جاتا ہے، عمل کا لامتناہی جذبہ اس کے قلب میں پیدا ہو جاتا ہے۔ اس کی زندگی سرتا پا حرکت و عمل ہو جاتی ہے "تنگی و تلخی" سے وہ نہیں گھبراتا "دُنیا کے عمل عقبیٰ میں پھل، باقی سودائے خام" کا نعرہ لگاتا ہے، بے باک مجاہد کی طرح کائنات کی تسخیر کے لئے قدم اُٹھاتا ہے۔ کامیابی ہر قدم پر اس کے پیر چومتی ہے اور سخر لكم ما فى السموات وما فى الارض (۳۱:۲۰) کی بشارت اس کے لئے مہمیز کا کام کرتی ہے۔ اعلائے کلمۃ الحق کا داعیہ حرکت و عمل کی عجیب روح اس کے اندر پھونک دیتا ہے، خود غرضی، انانیت، نفسانیت ھوی و تمنا سے اس کا قلب فارغ ہو جاتا ہے۔ اور "ابتغاء وجه ربه الاعلىٰ" (۹۲:۲۰) کو ہر آن پیش نظر رکھ کر اس کا ہر قدم آگے کی طرف بڑھتا رہتا ہے۔ اور اسی جذبے کے تحت وہ دُنیا کو نجات کا راستہ بتلاتا ہے اور اس کو آزادی، وحدت و مساوات، امن و فلاح، محبت و آشتی کا پیغام پہنچاتا ہے۔

اس مجاہد کی ہمتیں بلند ہوتی ہیں۔ اس کا قصد و عزم عزیمت پر ہوتا ہے۔ اس کی کمر استقلال مستحکم و مضبوط ہوتی ہے غم و ملال اس کے دل کو توڑ نہیں سکتا۔ آفات و بلیات کے نزول پر وہ خوش ہوتا ہے۔ جانتا ہے کہ ؎

ہر چہ از دوست می رسد نیکو است

صدمے اور صعوبتیں اس کی ہمت مردانہ میں کسی قسم کی کمزوری نہیں پیدا کر سکتیں، جانتا ہے کہ "افضل الایمان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

الصبر والسماحۃ" (بہترین ایمان صبر و سخاوت ہیں) اور اللہ تعالیٰ بلوہمت کو پسند فرماتا ہے" ان اللہ یحب معالی الھمم!" ایسا مجاہد اس تاریک دنیا میں نور کی ایک شعاع ہوتا ہے۔ جہاں وہ جاتا ہے تاریکیاں غائب ہو جاتی ہیں، وہ طمانیت، راحت و سکون تاب کا ایک روشن مینار ہوتا ہے۔ اس کی صحبت ٹوٹے ہوئے دلوں کو سکینت بخشتی ہے، لوگوں کو اس سے بقول رومی "بوئے خدا" آتی ہے، وہ دنیا کے لئے رحمت ہوتا ہے۔

۴۔ توحید کے یہ ثمرات تو فرد کے لئے ہیں، اب معاشرے کے لئے جو برکات حاصل ہوتی ہیں ان پر غور کرو۔

توحید یا ایمان باللہ کا لازمی نتیجہ خلق اللہ سے محبت ہے اس لئے کہ وہ اللہ کی مخلوق ہے۔ اس لزوم کی توجیہ یوں کی جا سکتی ہے، توحید الوھیت کی تفصیل میں تم نے یہ دیکھا کہ موحد کی توجہ کا قبلہ حق تعالیٰ ہو جاتا ہے، وہ اسے اپنا مولیٰ سمجھ کر اپنی تمام مرادوں اور حاجتوں کو اسی کے سامنے پیش کرتا ہے وہی اس کی امید و رجا، کا ملجاء و ماویٰ بن جاتا ہے، اور اسی سے وہ محبت کرنے لگتا ہے۔ اسی لئے قرآن حکیم نے مومن کو حق تعالیٰ سے شدید محبت کرنے والا قرار دیا ہے الذین اٰمنوا اشد حباً للہ (۲:۱۶۵) محب کے دل میں محبوب کی محبت کے سوا دنیا و آخرت کی محبت باقی نہیں رہتی، یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک دل میں دو محبتیں جمع ہوں ع

یک خانہ دو مہماں نگنجد

ہاں وہ وسائل وصول محبوب کو ضرور دوست رکھتا ہے۔ یہی مفہوم ہے اس حکم کا قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ (۳:۳۱) اسی لئے حب خدا کی علامت حب رسول اور ہر اس شے کی محبت ہے جو اللہ اور رسول کی طرف منسوب ہے، دیکھو مجنوں نے کیا کہا تھا۔

اذل لآل لیلیٰ فی ھواھا
واحتمل الاصاغر والکبارا

"لیلیٰ کی محبت میں لیلیٰ کے دوست و احباب کے ساتھ نرمی و مہربانی سے پیش آتا ہوں اور چھوٹوں اور بڑوں کو برداشت کر لیتا ہوں" مشہور کہاوت ہے کہ "من یحب انساناً، یحب کلب محلتہ" جب کوئی شخص کسی کو دوست رکھتا ہے تو اس کے محلے کے کتے کو بھی چاہتا ہے، جب مجنوں کو کسی نے ملامت کی کہ تو لیلیٰ کے کتے سے کیوں محبت کرتا ہے؟ وہ تو "مقعد خود را بہ لب می استرد" تو مجنوں نے اس ظاہر بیں کو جواب دیا۔

گفت مجنوں تو ہمہ نقشی و تن
اندر آ، بنگر بشے از چشم من
کیں طلسم بستۂ مولیٰ ست ایں
پاسبان کوچۂ لیلیٰ ست ایں

محبت جب قوی ہو جاتی ہے، تو محبوب سے تجاوز کر کے ہر اس شے سے متعلق ہو جاتی ہے، جو محیط بالمحبوب ہو، اور باسباب محبوب سے یہ شرک فی الحب نہیں، اگر کوئی شخص کسی محبوب کے پیغام بر یا اس کے پیغام کو دوست رکھتا ہے، اس لئے کہ وہ اس کا پیغام بر اور اسی کا پیغام ہے، تو اس کی محبت متجاوز الی غیر المحبوب نہیں ہوتی بلکہ اس کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کمال محبت پر دلیل ہے، اسی لئے جب کسی کے دل پر اللہ کی محبت غالب آجاتی ہے۔ تو وہ ساری خلق اللہ کو دوست رکھتا ہے۔ اس لئے کہ وہ اللہ کی مخلوق ہے، اسی وجہ سے حضور اکرمؐ کا ارشاد ہے کہ "الخلق عیال اللہ، فاحب الخلق الی اللہ من احسن الیٰ عیالہ" "ساری مخلوق عیال اللہ ہے، اور اللہ سب سے زیادہ محبت اس سے کرتا ہے، جو اللہ کی مخلوق سے سب سے زیادہ محبت کرتا ہے" (بیہقی، کتاب الایمان)، ایک اور وقت آپ نے فرمایا کہ "کونوا عباد اللہ اخوانا" "اللہ کے بندے بھائی بھائی بن جاؤ" (بخاری) اور اس خدا کی جو ہر شئے کا رب ہے، قسم کھا کر فرمایا کہ "العباد کلھم اخوۃ" "انسان سب آپس میں بھائی بھائی ہیں" (اخرجہ احمد، ابوداؤد) عقلا نے کہا کہ اصل عقل تو یہ ہے کہ "لوگوں سے محبت کرے اس طرح کہ حق ترک نہ کیا جائے" (کنوز الحقائق) حقیقی زندگی تو محبت و اتحاد ہے، خدا کی محبت کا لازمی نتیجہ اس کی مخلوق سے محبت ہے، اس لئے عقیدہ توحید اقوام عالم کے درمیان محبت و اتحاد کی ایک کڑی ہے۔ ایمان باللہ تو اس وقت کامل ہوتا ہے، جب ہم اپنے بھائی کے لئے بھی اس چیز کی خواہش کریں، جس کی ہم اپنے لئے کرتے ہیں۔

گیرم کہ نماز ہائے بسیار کنی
وز روزہ دھر بے شمار کنی
تا دل نہ کنی ز غصہ و کینہ تہی
صد من گل بہ سر یک خار کنی

"قلب انسانی کو ہم نے تہذیب اسلامی کی زمین قرار دیا ہے، اس نے ایک منادی کی ندا سنی کہ "اپنے رب پر ایمان لاؤ" وہ ایمان لے آتا ہے

"ربنا اننا سمعنا منادیاً ینادی للایمان ان اٰمنوا بربکم، فاٰمنا" (۳ : ۱۹۳)

منادی رسول اللہ ہیں، ایمان وہ قوت ایقانیہ و قدرت اتباعیہ ہے جو ہمارے باطن میں ودیعت کی گئی ہے، رب منادی ہمارا معبود، خالق و رزاق ہے، جو ہم پر ہم سے زیادہ مہربان ہے، اقرار بایمان یہ ہے کہ منادی نے جو کچھ پہنچایا ہے۔ اس پر ایقان و اذعان رکھیں اور اس کے مطابق عمل کریں۔ اس اقرار و ایقان و عمل سے ہمیں کیا حاصل ہوا؟ رب منادی کی محبت، اطاعت، حریت، سکینت، اتحاد انسانی، مساوات، امن و فلاح دنیوی و اخروی!

یہ ہے اسلامی تہذیب کا مفہوم میری نظر میں، یہ ہے نقشہ اس شجرۂ طیبہ کا، جس کی جڑیں زمین میں مضبوطی کے ساتھ پھیلی ہوئی ہیں، اور جس کی شاخیں آسمان تک پہنچی ہیں، جو ہر وقت اذن رب سے پھل لاتا ہے اور اپنے برکات سے کائنات کو مستفید ہونے کا موقع دیتا ہے، اور اعلان عام کرتا ہے۔

"خذوا ما اٰتینٰکم بقوۃ واذکروا ما
فیہ لعلکم تتقون" (۲ : ۶۳)

© rasailojaraid.com